# عروج وزوال کے الٰہی قوانین

از

جناب مولوی محمد تقی صاحب امینی

(۴)

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ فرمایئے برہان بابتہ ماہ نومبر)

مذکورۃ الصدر سورت کو پھر ایک مرتبہ دہرا لیجئے۔

وَالْعَصْرِ ۙ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۙ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۱۰۳/۱ اس میں عروج اور بقا کے چار بنیادی اصول مذکور ہیں ان کے نہ پائے جانے کی صورت میں خسران وہلاکت کی خبر دی گئی ہے۔ قرآن حکیم کی روشنی میں چاروں کی بالترتیب تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

## (۱) ایمان

ایمان قوت وطاقت کا سرچشمہ اور تمام انقلابات وتحریکات کی کامیابی کی جان ہے

قرآن حکیم میں جس حقیقت کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے اس کا مفہوم بے جان تصدیق اور جامد عقیدہ نہیں ہے بلکہ علم وعقیدہ اور معرفت ومحبت کے حسین امتزاج سے جو قلبی اور ذہنی کیفیت پیدا ہوتی ہے دراصل اس کیفیت کا نام ایمان ہے۔

عملی زندگی میں ایمان کا اثران طریقوں سے ظاہر ہوتا ہے،

(۱) مومن کی رگ رگ میں سما کر اس کی پوری دنیا بدل دیتا ہے (۲) تمام خلاف عقاید وتصورات کو یک قلم دل سے مٹا دیتا ہے (۳) ایمانیات کو بروئے کار لانے کے لئے مومن سرتاپا عمل بن جاتا ہے (۴) ہر مقابل اور مخالف طاقت کو دبانے کے لئے تن۔ من۔ دھن کی بازی لگا دیتا ہے۔

قومی اور جماعتی زندگی کا غائر نظر کے ساتھ مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ تمام انقلابات اور تحریکات کی کامیابی کی جان صرف "ایمان" ہے یہی قومی زندگی کی تشکیل کرتا ہے اور اس میں جس قدر پختگی و مضبوطی ہوتی ہے اسی قدر وہ عملی دنیا میں متشکل ہو کر رہتا ہے۔ اس کے پیدا ہونے کے بعد وہ تمام عناصر خود بخود اکٹھا ہو جاتے ہیں جو ترقی کے لئے درکار ہیں۔[1] یہ اس لئے کہ ایمان کا براہ راست "تعلق "عالم انفس" سے ہے جو افکار و احساسات اور تصورات کا مبدأ ہے اور جہاں سب سے پہلے انقلاب کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ جب کسی انقلاب کو خوش آمدید کہنے کے لئے "عالم انفس" کی ٹھیک اصلاح اور تربیت ہو گئی تو پھر "عالم آفاق" کے تمام مرحلے آسانی سے طے ہوتے رہتے ہیں۔

اس لحاظ سے اصل قوت و طاقت کا سرچشمہ صرف ایمان ہے اسی کے ذریعہ صلاحیتیں منظم ہو کر اخلاقیت اور مادیت کی فراہمی کی طرف لگتی ہیں۔ ایمان کے انھیں دور رس نتائج کی بناء

---

[1] اس بارے میں "اجتماعیات" کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں،

"قوت ایمانی ایک ایسی قوت ہے کہ جس شخص میں یہ پیدا ہو جاتی ہے اس کی قوت میں دس گنا اضافہ ہو جاتا ہے "انجیل" میں بہت صحیح آیا ہے کہ قوتِ ایمانی پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا سکتی ہے جو لوگ تاریخی انقلاب کے باعث ہوئے وہ چند مسکین اور ایماندار لوگ تھے جن کی قوتِ ایمانی نہایت مضبوط اور مستحکم تھی یہ "فلاسفہ" کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ کسی ایسے مذہب کی ایجاد کریں جو لوگوں کے قلوب پر غلبہ حاصل کرے یا ایسی بڑی بڑی حکومتوں کی بنیاد ڈالے جو دنیا کے اس کنارے سے اس کنارے تک پھیلی ہوئی ہو۔" (روح الاجتماع ص۱۴۱)

"جو شئ ایک سپاہ کو دوسری پر کامیاب رکھتی ہے وہ یہ خارجی مؤثرات نہیں (گو ایک حد تک یہ بھی معین ہوتے ہیں) بلکہ ایک اندرونی قوت ہوتی ہے وہ اس امر کا باطنی احساس اور یہ پختہ عقیدہ ہوتا ہے کہ فتح اسی کی ہوگا ہے صرف اعتقاد کی قوت جس نے عرب بادیہ نشین کو کسریٰ و قیصر کی ٹڈی دل قواعد داں فوج پر غالب کر دیا۔ وہ کیا چیز ہے جو افریقہ کے وحشیوں کو انگلستان و فرانس کی بہتر سے بہتر سپاہ پر وقتاً فوقتاً غلبہ دے دیتی ہے؟ محض عقیدہ کا استحکام۔"

خود آج (کتاب لکھنے کا زمانہ) تمہاری آنکھوں کے سامنے وہ کیا طلسم ہے جو جرمنی کو ایک دنیا سے مردانہ وار لڑا رہا ہے کیا کثرتِ افواج ہے؟ مگر تعداد کے لحاظ سے تو روس کی سپاہ اس سے بہت زیادہ بیان کی جاتی ہے کیا سائنس دانی ہے؟ کیا روپیہ کی فراوانی ہے؟ کیا ملک کی اقتصادی خوش حالی ہے؟ لیکن ان میں سے کسی حیثیت سے انگلستان و فرانس کی متحدہ طاقت اس سے کمتر نہیں ہے پھر آخر کیا شئ ہے؟ وہ صرف جرمن آبادی کا وہ تعصب ہے جو اس میں انگریزی فرنچ و روسی قوموں کے خلاف عرصہ سے جاں گزیں ہے اور جس کی بناء پر وہ یقین رکھتی ہے کہ وہ اپنے مخالفین کا زور ہمیشہ کے لئے توڑ دے گی۔ (فلسفۂ اجتماع ص۲۰۲)

پر قرآن حکیم نے اس کو بنیاد قرار دیا ہے اور اپنی پوری انقلابی تعلیمات کا محور اور مرکز بنایا ہے۔

ذیل میں چند آیتیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے مذکورہ بالا بیان کی تصدیق ہوتی ہے لیکن پہلے یہ بات سمجھ لینا چاہیئے کہ قرآن حکیم خداوند قدوس کی کتاب ہے اس میں ہر شے کے لئے نیچے سے اونچے معیار کا تذکرہ کیا گیا ہے ایمان وغیرہ کے بارے میں جو کچھ تفصیلات آگے بیان ہوں گی وہ سب درجۂ کمال کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور حقیقی و دائمی قیام و بقار کی ضمانت پیش کرتی ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| ایمان کا لازمی نتیجہ محبت اور محبوبیت ہے | وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۱۶۵ | "جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں ان کے دلوں میں سب سے زیادہ اللہ کی محبت ہوتی ہے" |

اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ تمام ماسوا کے "بت" دل سے نکل کر دل صرف اللہ کا جلوہ گاہ بنے اور اس سے محبت اور تعلق اس قسم کا ہو کہ اس کے مقابلہ میں نہ عزیز سے عزیز ترین تعلقات کی کوئی قیمت رہے اور نہ شان و شوکت والی طاقتوں کی کوئی حیثیت رہے[1]۔ اس مرحلہ پر پہنچنے کے بعد اللہ کا تصور زندگی کے تمام گوشوں میں چھا کر قوتِ نظری اور قوتِ عملی دونوں میں انقلابی تبدیلی پیدا کرتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ نیابت الٰہی کے خدوخال

---

[1] ڈاکٹر سلیمان کہتے ہیں:۔

"حقیقت یہ ہے کہ انسان کی اصلی دینداری یہ نہیں ہے کہ وہ کسی معبود کی پرستش کرتا ہے بلکہ انسان میں اصلی دین داری کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنے ارادے اپنی مرضی اور اپنی ذات کو اس معبود کی مرضی اور اس کے ارادہ پر چھوڑ دیتا ہے اور اپنی مرضی کو اس کی مرضی کے لئے بالکل فنا کر دیتا ہے جب یہ اعتقادی کیفیت انسان میں پیدا ہو جاتی ہے تو اس وقت تمام دوسرے خیالات کے گرد و غبار سے اس کا شیشۂ دل پاک و صاف ہو جاتا ہے اور اس کے تمام اعمال و افعال کا محور اور مرجع صرف وہی ذات ہوتی ہے جس کی رضاجوئی پر اپنی مرضی اور شخصیت کو فنا کر دیا ہے۔

(روح الاجتماع ص۲۰)

"قومی اور جماعتی زندگی میں اسی قسم کی دین داری حرکت اور عمل پیدا کر کے زندگی کے تمام عناصر کو جمع کرتی ہے "اجتماعیات" کے باب میں ڈاکٹر موصوف کے ذکر کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ مذہبی آدمی ہیں اور اس بیان سے مذہب کی نشر و اشاعت مقصود ہے بلکہ وہ غیر مذہبی ہونے کے باوجود مذہب کو "اجتماعیات" کے باب میں استاد خیل مانتے ہیں۔ ۱۲

اُبھر کر سامنے آجاتے ہیں جس کی بنا پر فکر و نظر میں وسعت ، دل میں قوتِ جذب اور شعور میں بیداری پیدا ہو جاتی ہے اور اخلاق و کردار میں صفاتِ الٰہی کا پرتو دکھائی دیتا ہے اس طرح

"لا یسعنی الا قلب مومن" میری سمائی بجز قلب مومن کے اور کہیں نہیں ہو سکتی ہے

اور "تخلقوا باخلاق اللہ" تم اپنے اندر اللہ جیسے اخلاق پیدا کرو کا عملی

مظاہرہ ہونے لگتا ہے۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآءُکُمْ وَاَبْنَآءُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۲۴

"اے پیغمبر ایمان والوں سے یہ بات کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے تمہارے بھائی تمہاری بیویاں تمہاری برادری تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے تمہاری تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا ڈر ہے اور تمہارے رہنے کے پسندیدہ مکانات (یہ ساری چیزیں) تمہیں اللہ سے اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو اللہ کے حکم کا انتظار کرو (جو اس تن آسانی اور دنیا طلبی پر آنے والا ہے)"

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اللہ کا حکم قومی زندگی کی موت اور ذلت و خواری کی شکل میں ظاہر ہوگا جیسی تبدیلی ہوگی اسی کی کمی اور بیشی کے لحاظ سے یہ حکم لاگو ہوتا رہے گا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ

"یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کرتا ہوا پائیں اگرچہ وہ دشمن ان کے آبا و اجداد - آل اولاد - بھائی بند اور کنبہ قبیلہ ہی کے کیوں نہ ہوں - یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں

وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۵۹/۲۲ ایمان قایم ہو چکا ہے

حقیقی ایمان انسان کے قلب و وجدان، عقل و فکر، ارادہ و تصرف، قول و فعل، دوستی و دشمنی غرض ساری زندگی پر چھایا ہوا ہوتا ہے۔

**قومی زندگی میں حقیقی ایمان کے لئے تربیت ضروری ہے**

مذکورہ آیتوں میں جس ایمانی کیفیت کا ذکر کیا گیا ہے قومی زندگی میں اس کیفیت کا پیدا ہونا نہایت دشوار امر ہے اس میں اس وقت تک کامیابی ناممکن ہے جب تک تربیت کا باقاعدہ اور ٹھوس نظام نہ ہو قرآن حکیم نے اسی بنار پر تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن کو داعیِ انقلاب کی بعثت کا اہم مقصد بتایا ہے (ویزکیھم) اور اسی بنار پر کہا گیا ہے

قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا ۹۱/۹ "وہ شخص کامیاب رہا جس نے اپنے کو برائیوں سے صاف کیا اور وہ ناکام رہا جس کو برائیوں نے دبا لیا"

جن لوگوں کے سامنے انقلاب کی تاریخیں ہیں وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ دنیا کے ہر انقلاب کی لپغت پناہی ذہنی تبدیلی اور اخلاقی تربیت کرتی رہی ہے، اسی سے قومی زندگی میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے اور اسی سے شخصیت کی تنظیم ہوتی ہے عہ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ انقلاب کی

---

عہ فرانسیسی مصنف و مفکر موسیو ٹامٹن نے اپنی کتاب نظام حال ج۲ میں تربیت کے مسئلہ پر نہایت قیمتی بحث کی ہے اور اس کو بقار اور ارتقار کے لئے مدار قرار دیا ہے "روح الاجتماع" میں بھی اس پر کافی بحث موجود ہے۔

یورپ کے انقلاب میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے وہ ذہنی تبدیلی اور اخلاقی تربیت ہے ۱۴۶۶ء میں ایراسمس نامی مجدد ملت پیدا ہوا اور اس نے بہت کچھ اصلاح کی کوششیں کیں ۱۵۰۰ء میں ہالینڈ میں ہنری ہشتم کے زمانہ میں "اراسمیس" نامی مصلح دین پیدا ہوا پھر ۱۵۱۷ء میں لوتھر نے اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور اسے مستقل تحریک کی شکل دے دی یہ واقعہ دنیا کے مسلمات میں سے ہے کہ یورپ کی تمام ذہنی اور علمی ترقیوں کا دور مذہبی اصلاح سے شروع ہوا ہے لوتھر اور کلیسا میں بنار نزاع یہ تھی کہ حق کا معیار کیا ہے؟ کتاب اللہ یا پوپ کا اجتہاد۔ اور اللہ کی کتاب پڑھنے اور سمجھنے کے لئے ہے یا اس لئے ہے کہ سب کچھ پوپ پر چھوڑ دیا جائے۔ اور نجات کا مدار ایمان پر ہے یا پوپ کی سندِ مغفرت پر ہے غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس نزاع میں پوپ اور کلیسا کی طرف سے لوتھر پر جو الزامات لگائے گئے تھے ان میں سب سے بڑا یہ الزام تھا کہ وہ اسلام کا پیرو ہو گیا ہے اور قرآن کے مطالعہ سے اس میں یہ گمراہی پیدا ہو گئی ہے۔ (اڈورڈ رہسٹری آف دی ریفارم باب سوم از ترجمان القرآن ج۲)

چوں کہ یورپ کے انقلاب میں اخلاقی تربیت کا باقاعدہ اور مسلسل پروگرام زیادہ دنوں نہ باقی رہ سکا تھا اس

(بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

کامیابی اور استحکام کا مدار صرف افراد کی تربیت پر ہے جس قدر افراد کی تربیت کی جاتی ہے اسی قدر انقلاب میں استواری اور پائداری پیدا ہوتی ہے اس خصوص میں فلسفۂ تاریخ کا درج ذیل مسلمہ فیصلہ قابل ذکر ہے۔

"قومیں خطیبانہ بلند آہنگیوں اور جذبات انگیز استعارہ طرازیوں سے نہیں بنتی ہیں بلکہ اپنی تاریخی ماضی کے بعد افراد کی اعلیٰ ذہنی و اخلاقی قابلیتوں سے بنتی ہیں۔" [1]

ایمان پیدا ہونے کے بعد جان اور مال کا سودا ہو جاتا ہے

ایمان کی حقیقت سمجھنے کے لئے درج ذیل آیت خاص اہمیت رکھتی ہے

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ

بلا شبہ اللہ نے مومنوں سے اس قیمت پر ان کی جانیں بھی خرید لی ہیں اور ان کا مال بھی کہ ان کے لئے بہشت کی جاودانی زندگی ہے چنانچہ وہ کسی دنیوی مقصد میں نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اس جنگ میں وہ مرتے بھی اور مارتے بھی ہیں یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہو چکا ہے اور تورات۔ انجیل اور قرآن تینوں کتابوں میں یکساں طور پر اس کا اعلان ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لئے جلد مضر اثرات نمایاں ہونے لگے جس سے ایک طرف تو تقریباً تمام نوآبادیات میں تہلکہ پڑ گیا اور ترقیات کی اسکیموں میں ان کے مرہونِ منت ہونے کے باوجود عام لوگوں کو خود مختاری میں عافیت نظر آنے لگی اور دوسری طرف "ردِ عمل" کے طور پر "ایشیا" میں ایک دوسرے انقلاب کی بنیاد پڑی۔ چونکہ یورپ کی پشت پناہی مذہب کر رہا تھا اور اس حقیقت کو انقلاب روس کے خداوندوں نے نہایت باریک بینی سے دیکھ لیا تھا اس لئے نئے دور کے آغاز میں مذہب سے بے توجہی برتتے ہوئے ان لوگوں نے دوسری راہوں سے ذہنی اور اخلاقی تبدیلیاں کیں اور کسی حد تک انقلاب کو کامیاب بنایا لیکن اس میں کمال یہ دکھلایا کہ لامذہبیت کو مذہب بنا کر پیش کیا جس کی بنا پر لوگوں نے مذہب کی طرح نہایت جوش و خروش کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی ۔۔۔ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

[1] از فلسفۂ اجتماع

بس مومنو تمہیں اس سودے پر خوشیاں منانا چاہیئے ۹/۱۱۱

کیوں کہ یہ بہت بڑی کامیابی ہے عہ

اس آیت میں ایمان والی زندگی کا عجیب و غریب فلسفہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ کہ حقیقی ایمان پیدا ہونے کے بعد نہ جان اپنی رہ جاتی ہے اور نہ مال اس طرح پر کہ ہر ایک کا سودا ہو جاتا ہے اس کی قیمت طے ہو جاتی ہے اب مومن کا فقط اتنا کام باقی رہتا ہے کہ اسباب حوالہ کر کے اس کی قیمت وصول کر لے۔

ترک جان و ترک مال و ترک سر در طریق عشق اول منزل است

یہ طرزِ تعبیر نفسیاتی لحاظ سے کس قدر دور رس نتائج کا حامل ہے؟ اور کیا کوئی قوم زندگی کے بارے میں ایسا فلسفۂ حیات اپنانے کے باوجود ذلیل و خوار اور ہلاک ہو سکتی ہے؟

حقیقی ایمان ہجرت جہاد اور نصرت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے

اسی بنا پر مومن کے واسطے مندرجہ ذیل آیات میں ہجرت۔ جہاد اور نصرت کو لازمی قرار دیا گیا ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ حقیقی ایمان کا مدار اور موقوف علیہ بتایا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا | جو لوگ ایمان لائے اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا۔ |
| فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا | جہاد کیا۔ لوگوں کو پناہ دی اور ان کی مدد کی حقیقت |
| اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ | میں یہی سچے مومن ہیں۔ |
| اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ | ایمان والے وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر |
| وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا | ایمان لائے پھر شک میں نہیں پڑے اور اللہ کی راہ میں |
| بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ | اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں |
| اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۴۹/۱۶ | |

عہ یہاں اس شبہ کی گنجائش نہیں کہ بغیر مال دیکھے ہوئے اس کا سودا کیسے ہو گیا کیوں کہ ایک مدت تک نسلِ انسانی کے باپ حضرت آدم کو ٹریننگ کے لئے وہیں رکھا گیا تھا اور معراج میں رسول اللہ کو بحیثیت کمپنی کے ڈائرکٹر کے دکھا دیا گیا تھا یہ دونوں شخصیتیں ایسی ہیں کہ ان کا دیکھنا گویا سب کا دیکھنا ہے ۱۲۔

| | |
|---|---|
| اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۹/۲۱ | جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جان و مال سے جہاد کیا ان کے لئے اللہ کے نزدیک بڑا درجہ ہے اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ |

تینوں آیتوں میں بالترتیب "ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا"، "ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ" اور "ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ" سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہجرت، جہاد اور نصرت کے بغیر نہ تو حقیقی ایمان کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی قوم کامیابی کی منزل سے ہم کنار ہوسکتی ہے۔

انھیں تینوں کے ذریعہ قومیں عروج اور بقاء حاصل کرتی ہیں | اس سلسلہ میں اگر آپ دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہر قوم اپنے عروج و بقاء کے لئے انھیں تینوں کو کسی نہ کسی شکل میں اپناتی ہوئی نظر آئے گی۔

**۱ ہجرت**۔ مقصد کی خاطر ترک و اختیار کی کسوٹی پر پورا اترنا حتی کہ گھر بار چھوڑنے کی نوبت آجائے تو اس سے بھی دریغ نہ کرنا۔

**۲ نصرت**۔ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور مشکلات و مصائب کے وقت انھیں سنبھالے رکھنا یعنی زندگی کی تشکیل باہمی تعاون و تشارک اور ایثار و قربانی کی بنیادوں پر ہونا۔

**۳ جہاد**۔ مقصد کے حصول کے لئے ہر قسم کی انتہائی جد و جہد کرنا ہاتھ پاؤں سے اسی کے لئے دوڑ دھوپ کی جائے زبان و قلم سے اسی کی تبلیغ کی جائے عقل و دماغ سے اس کے لئے تدبیریں سوچی جائیں غرض تمام امکانی وسائل اس بارے میں صرف کئے جائیں اور ہر مزاحمت کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کیا جائے حتی کہ جب جان کی بازی لگانے کا وقت آجائے تو اس میں بھی کسی طرح کا دریغ نہ کیا جائے۔

ایں شربت عاشقی ست خسرو      بے خون جگر چشید نتواں

جہاد کا مفہوم قتال سے بہت زیادہ وسیع اور عام ہے بدقسمتی سے لوگوں نے اس کو قتال کا ہم معنی سمجھ لیا ہے جس کی بنا پر چند در چند غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں اور بالآخر مدافعانہ اور

جارحانہ کی تقسیم پر مجبور ہوئے ہیں حالاں کہ غور سے دیکھا جائے تو یہ ایسی فطری حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ دنیا کی ہر قوم اس کی محتاج ہے اور اسی پر عمل کرکے وہ اپنے عروج و بقار کی منزلیں طے کرتی ہے

ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کی سب سے پہلی تقریر میں فرمایا تھا

"اے لوگو غور سے سن لو دنیا کی جو قوم جہاد کرنا ترک کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل و خوار اور رسوا کر دیتا ہے۔"

درج ذیل آیت سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔

| | |
|---|---|
| یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَیْــًٔا وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۳۹/۹ | اے ایمان والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں قدم اٹھاؤ تو تمہارے پاؤں بوجھل ہو کر زمین پکڑ لیتے ہیں کیا تم آخرت کے مقابلہ میں دنیوی زندگی پر ریجھ گئے ہو حالانکہ دنیوی زندگی کی متاع تو اس کے مقابلہ میں بہت تھوڑی ہے اگر اس راہ میں قدم نہ اٹھاؤ گے تو یاد رکھو کہ اللہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا اور تمہاری جگہ کسی دوسرے گروہ (قوم) کو لا کھڑا کرے گا اور پھر تم اس کا کچھ نہ کر سکو گے وہ ہر شے پر قادر ہے۔ |

**جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت اور ایک غلط فہمی کا ازالہ**

اس موقع پر قابل لحاظ نکتہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے "جہاد فی سبیل اللہ" کا حکم دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ساری جد و جہد فتنہ و فساد کے ختم کرنے اور رحمت الٰہی کو عام کرنے کے لئے کی جائے نہ کہ ذاتی و قومی اقتدار اور ملک گیری کے لئے جیسا کہ دنیا کی قوموں اور حکومتوں کا دستور ہے۔

| | |
|---|---|
| وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ | جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ و فساد نہ رہے اور اللہ کا |

الدِّیْنُ لِلّٰہِ ۲/۱۹۳ راج قائم ہو جائے۔

جہاد کی غرض وغایت داعیِ انقلابؐ نے ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا (الحدیث) تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو۔

نفسانی جذبات اور انتقامی جوش کے ماتحت جہاد کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے بلکہ صرف "اعلاء کلمۃ اللہ" کی خاطر اللہ کی مرضی اور اس کے مقررہ اصول کے مطابق کیا جائے۔

چنانچہ اس بارے میں جو اصول وضوابط مقرر ہیں اور دورِ اول کے مسلمانوں نے جس طرح اس کو عملی جامہ پہنایا ہے اُس سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ "جہاد فی سبیل اللہ" فتنہ وفساد کے ختم کرنے کا بہترین ذریعہ اور رحمتِ الٰہی کو عام کرنے کا بہترین وسیلہ ہے جس کے بغیر نہ صالح تمدن پیدا ہو سکتا ہے اور نہ نشوو ارتقار کی منزلیں طے ہو سکتی ہیں۔

یورپ کے متعصب مؤرخوں نے جہاد کے بارے میں ناقابل معافی حد تک تجاہلِ عارفانہ سے کام لیا ہے اور اسلام پر یہ غلط الزام لگانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ وہ وحشت وبربریت کا مذہب ہے اور اس کی اشاعت میں تلوار کو زیادہ دخل رہا ہے اسی کی نقالی آج کل کے متعصب اور حقیقت سے ناآشنا مؤرخ کر رہے ہیں۔

ان مؤرخوں نے نہ تو کبھی یہ جاننے کی کوشش کی کہ جہاد کی حقیقت کیا ہے؟۔ اور قومی زندگی میں اس کا کیا مقام ہے؟ نیز شرعی نقطۂ نظر سے کسی کو مسلمان بنانے کے لئے جہاد کرنا جائز ہے یا نہیں اور نہ قرآن حکیم کے اس اعلان پر دیانتداری کے ساتھ غور کیا

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ دین کے معاملہ میں جبر اور زبردستی نہیں ہے

بلکہ اگر کسی نے تنگ نظری اور تعصب کی بنا پر ابتدا میں کوئی بات لکھ دی اور وہ لوگوں کے جذبات اور نفسیاتی کیفیات کے موافق ہوئی تو بس آخر تک اس کی نقل در نقل ہوتی رہی اور وہی بات لوگوں کی دین وایمان بن گئی۔

اجتماعیات کے ماہرین جانتے ہیں کہ قومی تعصب نے دوسری قوم کے تاریخی حقائق پر پردہ ڈالنے

میں کس قدر چابکدستی دکھلائی ہے۔

اور اس حقیقت سے تو "علم النفس" کا ادنیٰ طالب علم بھی واقف ہے کہ قومی زندگی کے اصل وصف دو ہیں (۱) ذی شعور ذات اور نقاد ذہن کا معدوم ہو جانا۔ (۲) احساسات وجذبات کا قوم اور جماعت کے مقصد وحید کے اندر فنا ہو جانا[1] ایسی حالت میں جامد دماغ اور مقلد طبیعتوں نے جہاد کے خلاف کچھ لکھ دیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ان لوگوں میں نہ تو قوت وجسارت تھی اور نہ روشن دماغی اور تنقیدی نظر کہ قومی وملکی تمام حد بندیوں سے گذر کر چشمۂ آفتاب کو اس کی اصلی اور صحیح شکل میں دیکھ سکتے۔

تاریخ کے لکھنے میں جن لوگوں نے ذرا جسارت سے کام لے کر اپنی قوتِ فکری پر زور دیا ہے ان کے سامنے جہاد کی اصل حقیقت واضح ہو گئی ہے چنانچہ یورپ کے دوسرے بہت سے مؤرخوں (ڈاکٹر گبن، ڈاکٹر موسیو سیدیو، سیل صاحب، الفنسٹن وغیرہ) نے جنھوں نے اسلامی تہذیب وتمدن اور اجتماعیات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے انھوں نے نہ صرف یہ کہ اسلام اور جہاد کے بارے میں بیش بہا معلومات فراہم کئے ہیں بلکہ ان متعصبین کے اقوال اور غلط استدلال کا دندان شکن جواب دیا ہے۔

**چند واقعات وحقایق سے استشہاد** ذیل میں چند واقعات اور اعداد وشمار دئے جاتے ہیں۔

(۱) یرموک اور اجنادین کے میدانوں میں بازنطینی حکومت سے مقابلہ ہو رہا تھا لیکن شام کے لوگ محبت کے پیام اور بلاوے بھیج رہے تھے بُصرا کے لوگوں نے اپنے دروازے خود ہی کھول دئے تھے حمص کے باشندوں نے مسلمانوں کی آمد کے لئے منتیں اور سماجتیں کی تھیں طرابلس کی آبادیاں پہلے ہی سے منتظر تھیں صور کے پھاٹک بند ہی نہیں کئے گئے تھے۔ جب مصر کا رخ ہوا تو وہاں کے عیسائیوں نے آگے بڑھ کر استقبال کیا[2]۔ اسی طرح تاریخ میں بہت سی ان قوموں کا ذکر ملتا ہے جن پر مسلمانوں نے نہ کبھی فوج کشی کی اور نہ اس کا خیال ظاہر

---

[1] روح الاجتماع صـ۵۶ [2] ترجمان القرآن ج ۲

اس کے باوجود لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔

اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ لوگوں نے سمجھ لیا تھا کہ اسلام خوف و دہشت کی طاقت نہیں ہے بلکہ رحمت و عدالت کا پیام ہے جس کی بنا پر وقت کی تمام مظلوم آبادیوں نے نجات دہندہ سمجھکر اسکو خوش آمدید کہا تھا۔

(۲) تاتاریوں نے پچاس سال تک جس شدت کے ساتھ اسلام کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں اور اسلامی حکومتوں کو تباہ و برباد کیا اس سے تاریخ کا طالب علم اچھی طرح واقف ہے لیکن حکومت و اقتدار کے زمانہ میں ان لوگوں کا اسلام قبول کرنا یعنی حاکم کا محکوم کے دین میں داخل ہونا اسلام کی حقانیت و صداقت کا معمولی کارنامہ نہیں ہے

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے ۔۔۔ پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

(۳) ہندوستان میں آٹھ سو سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی اس کے باوجود مسلمان اقلیت میں ہیں اگر اسلام کی اشاعت میں تلوار کو دخل ہوتا تو آج عددی پوزیشن یہ نہ ہوتی اور اقلیت و اکثریت کی بحث کبھی کی ختم ہو گئی ہوتی۔

(۴) اسلام میں قانونی نقطۂ نظر سے مسلمان بنانے کے لئے جہاد کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ شکل "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" کے منافی ہے اور ان بنیادی اصولوں کے خلاف ہے جو اسلام نے جہاد کے لئے مقرر کئے ہیں تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

چند ماہرین کے اقوال اور تاریخی شہادتیں یہ ہیں

**چند ماہرین کے اقوال اور تاریخی دستاویزی شہادتیں** حضرت عمرؓ کے آخری زمانہ یا حضرت عثمانؓ کے ابتدائی زمانہ میں ایک نسطوری پادری نے جو تاثرات سپردِ کاغذ کئے تھے وہ اتفاق سے محفوظ ہیں ان سے اسلام کی عالمگیر رحمت اور افادیت کا پتہ چلتا ہے نیز یہ کہ اسلام کی نشر و اشاعت میں کس بات کو دخل رہا ہے؟

وہ یہ ہیں

"یہ طائی (عرب) جن کو خدا نے آج کل حکومت عطا کی ہے وہ ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں لیکن وہ

عیسائی مذہب سے مطلق برسرپیکار نہیں بلکہ اس کے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں ہمارے پادریوں اور مقدس لوگوں کا احترام کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور کلیساؤں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں۔"[1]

اسی طرح کی ایک اور شہادت زمانہ حال کے ایک متعصب رومن کیتھولک پادری نے کلیسائی تاریخ وجغرافیہ کے قاموس میں یہ دی ہے۔

"مسلمان عربوں کو یعقوبی (جاکوبائٹ) عیسائیوں نے بھی اپنے نجات دہندوں کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لیا مسلمانوں کی سب سے اہم جدت جس کا یعقوبی عیسائیوں نے دلی خوشی سے استقبال کیا یہ تھی کہ ہر مذہب کے پیرؤں کو ایک خود مختار وحدت قرار دیا جائے اور اس مذہب کے روحانی سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دنیاوی اور عدالتی اقتدارات عطا کئے جائیں۔"[2]

غور فرمائیے۔ خود مختار وحدت کے تصور کو دنیا کے سامنے سب سے پہلے عملی طور پر اسلام نے پیش کیا ہے اور وہ بھی اُس دور میں جس کو آج کل کے متجددین غیر مہذب و نا تربیت یافتہ دور کہتے ہیں آج کل کی مہذب و تربیت یافتہ دنیا غیر مذہب والوں کے ساتھ اس قسم کی وسعت اور فراخ حوصلگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی ہے۔

فرانسیسی مصنّف "موسیو سیدیو" نے اپنی کتاب تاریخ عرب میں لکھا ہے

"دین اسلام کو وحشی مذہب کہنے والوں کی نابینائی قلب اور حق سے کان بند کر لینے اور راہ راست سے ہٹ کر پھسل جانے کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ قرآن مجید میں ایسی آیتیں ہیں جو عربوں کی گذشتہ عاداتِ بد کی ناسخ ہیں مثلاً انتقام کا جذبہ کھلم کھلا ظلم کرنا جو یورپ میں پہلے بھی تھا اور ڈوئل Duell کی صورت میں اب بھی موجود ہے۔"[3]

پروفیسر "واکر" نے قانون بین الممالک کی تاریخ لکھتے ہوئے یہ ملاحظہ پیش کیا ہے

"متمدن اور مہذب سلطنتوں پر وحشیوں کا دھاوا بولنا اور غالب آکر سلطنت و حکومت کا مالک بن جانا تاریخ کا ایک عادتی واقعہ ہے لیکن جرمنوں، تاتاریوں وغیرہ وحشیوں کے برخلاف عجیب بات یہ ہے کہ

---

[1] عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص۱۴۸ بحوالہ پادری اسمعانی اور دخویے کی کتاب [2] حوالہ بالا بحوالہ فرانسیسی قاموس [3] تاریخ عرب ص۱۰۷

عرب کے بدو جب یک بیک اپنے صحرائی برِ اعظم سے بیرون میں امنڈنے لگے (خلافت راشدہ کے زمانہ میں) تو ان عربی فاتحین کو عام تصور کے وحشی فاتحین میں کسی طرح نہیں شامل کیا جاسکتا ہے کیوں کہ ان وحشی بدوؤں میں پہلے ہی دن سے ان کے مفتوحوں سے بھی بڑھ کر تہذیب اور اخلاقِ حسنہ نظر آتے ہیں۔[۱]

ذیل میں چند اعداد و شمار دئے جاتے ہیں جن سے جہاد کی حقیقت واضح ہونے میں مدد ملے گی

**جنگ سے ہلاک شدگان کا تقابلی مطالعہ**

داعیِ انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی دس سالہ زندگی میں ایک نہیں چوبیس[۲۴] جہاد کئے اس عرصہ میں آپ کا اقتدار شہر مدینہ سے پھیل کر جزیرہ نمائے عرب اور جنوبی فلسطین کے دس لاکھ مربع میل کے رقبے پر محیط ہوگیا تھا (فتوحات کی روزانہ اوسط ۲۷۵ میل ہوتی ہے) لیکن اس پوری فتح میں دشمن کے بمشکل ڈھائی سو آدمی مارے گئے اور اگر بیر معونہ میں دھوکے سے اور جنگ احد میں فوجی نافرمانی کے نتیجہ میں بھگ دوڑ کے وقت جو ۱۳۰ مسلمان شہید کئے گئے تھے انھیں مستثنیٰ کر دیا جائے تو مسلمان شہدار کی تعداد بمشکل ۱۰۰ تک پہنچتی ہے۔[۲]

ان لڑائیوں میں تمام اضافتوں کو حذف کر کے شہدار اور مقتولین کی جو زیادہ سے زیادہ تعداد بتائی جاتی ہے وہ ۱۰۴۸ ہے اس میں مسلم شہدار کی تعداد ۱۲۵ ہے اور دشمن مقتولین کی تعداد نو سو تیئیس ۹۲۳[۳] ہے جب کہ مفتوحہ علاقہ کی آبادی یقیناً کئی ملین تھی اور آج کی طرح فوجی وغیر فوجی کی تقسیم نہ تھی بلکہ کل آبادی فوجی ہوتی تھی۔

ان اعداد و شمار کے مقابلے میں فرانس اور امریکہ کو جمہوریت قائم کرنے میں اور انگلستان کو پارلیمنٹ کا نظام اپنانے میں جتنے خون بہانے پڑے اور پچھلی جنگ عظیم اور حال کی جنگ کوریا وغیرہ میں جو خون کی ہولی کھیلی گئی ان کے دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ واقعی رحمتِ الٰہی کا ایک پہلو اور فتنہ و فساد ختم کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یورپ کے دورِ جاہلیت میں اصلاحی تحریک کے روکنے کے لئے جو محکمہ احتساب قائم کیا گیا تھا اس کے احکام سے جو نفوس ہلاک کئے گئے "جان ڈیون ریورٹ" نے اپنی کتاب اپالوجی آف محمد اینڈ قرآن میں ان کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ بتائی ہے جو عیسائیوں کی عیسائیوں کے ہاتھوں ہوئی تھی صرف اسپین میں اس محکمہ کی کارگزاری کا خلاصہ یہ ہے ۳۱۹۱۲ افراد زندہ جلائے گئے ۱۷۶۵۹ افراد کی تصویریں جلائی گئیں اور ۲۹۱۲۵۰

[۱] عہد نبوی میں نظام حکمرانی صفحہ ۱۵ بحوالہ ہسٹری آف دی لا آف نیشن [۲] قانون بین الممالک صفحہ ۱۳۲ اور عہد نبوی میں نظام حکمرانی صفحہ ۳۰۳ [۳] الانصاف الہ آباد مورخہ ۹ اکتوبر ۱۹۵۵ء [۴] اخبار ہمدم ۲۰ اپریل ۱۹۱۹ء اور مسلمانوں کی تہذیب صفحہ ۔